عظمتوں کے پاسبان

محدث اعظم پاکستان

مولانا سردار احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ)

مصنف:

شرف ملت علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب (رحمۃ اللہ علیہ)

محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

دیال گڑھ ضلع گورداسپور کا ایک ہونہار اور سعادت مند نوجوان میٹرک پاس کرنے کے بعد مزید علم حاصل کرنے کے لئے، داتا کی نگری لاہور آتا ہے اور ایف اے میں داخلہ لے لیتا ہے۔ وہ قدرت کے سانچے میں ڈھلا ہوا شرافت کا دل نواز پیکر تھا، اس کی گفتگو اور چال ڈھال میں قیامت کا بانکپن تھا۔ اسے گود میں کھلانے والے اور اس کے سکول کے ساتھی ہی نہیں، بلکہ اس کے اساتذہ بھی اس کی نیک نفسی، پاکیزہ نگاہی اور ملکوتی کردار کے گواہ تھے۔ سب ہی اسے محبت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور وہ سب کی آنکھ کا تارا تھا۔ اُس نے پٹوار کا امتحان بھی دیا تھا، اُس کی بے مثال ذہانت اور محنت کو دیکھتے ہوئے اُس کے رشتے دار یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ ہمارا یہ عزیز نوجوان پٹواری بنے گا، تحصیل دار بنے گا اور ترقی کرتے کرتے بہت بڑا افسر بنے گا، لیکن انسان کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟ وہی ہوتا ہے جو سب سے بڑی قوت و طاقت والے کو منظور ہوتا ہے۔ اچانک اس نوجوان کو نظر لگ گئی اور نہ جانے وہ کیسی نظر تھی کہ رشتہ داروں کے سب منصوبے فیل ہو گئے اور تمام پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔

جامع مسجد وزیر خاں، لاہور، قیام پاکستان سے پہلے، متحدہ پاک و ہند کا عظیم ترین سٹیج تھی، جہاں پورے ملک کے جلیل القدر علماء اور مشائخ رونق افروز ہوتے، اُن کی زیارت سے ایمان تازہ ہو جاتا اور اُن کے ارشادات سن کر دلوں کی ویران بستیاں آباد ہو جاتیں۔ ان دنوں بھی اسی جامع مسجد میں عظیم الشان اجلاس ہو رہا تھا، سامعین جوق در جوق حاضر ہو رہے تھے۔ اتنے میں اسٹیج سے اعلان کیا گیا کہ آج

فلاں وقت، فلاں گاڑی سے ملک کے عظیم عالمِ شریعت اور شیخ طریقت، جگر گوشۂ امام احمد رضا، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی تشریف لا رہے ہیں، جو حضرات ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیں، وہ مقررہ وقت پر ریلوے اسٹیشن پہنچ جائیں۔

مشتاقانِ دید کا ایک ہجوم ریلوے اسٹیشن پر جمع ہو گیا، اسی ہجوم میں وہ خوش بخت نوجوان طالب علم بھی تھا، جب گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچی اور حضرت حجۃ الاسلام اپنے ڈبے سے باہر تشریف لائے، تو تکبیر و رسالت کے پرجوش نعروں سے اُن کا استقبال کیا گیا اور ہر شخص بے تابی سے ایک نظر زیارت کرنے اور مصافحہ کے لئے آگے بڑھنے لگا، اسی دھکم پیل میں وہ طالب علم بھی آگے بڑھا اور مصافحہ کرنے کے بعد سر اُٹھا کر جو دیکھا تو اُن کا نورانی چہرہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ چہرہ کیا تھا حُسن کی کھلی ہوئی کتاب تھی، جس پر جمالِ تقویٰ اور جلالِ علم کا نور برس رہا تھا، جسے دیکھ کر کئی غیر مسلم اسلام لے آئے تھے، ایک نظر انہوں نے بھی اس طالب علم کو دیکھا، یہی وہ لمحہ تھا، جب اس طالب علم کو نظر لگ گئی، اس کی رُوح کی گہرائی تک ایک برقی رَو دوڑ گئی اور دل ایک انجانی اضطرابی کیفیت سے دوچار ہو گیا۔

جلسہ بڑی شان و شوکت سے ہوا اور جلسہ کے بعد حضرت حجۃ الاسلام، حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب، اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے، وہ طالب علم جلسے کے دوران بڑی محویت کے ساتھ ٹکٹکی باندھے انہیں ہی دیکھتا رہا، اور جلسے کے بعد کشاں کشاں ان کی قیام گاہ پر پہنچ گیا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی کشتۂ تیرِ نظر ہے، بڑی محبت و شفقت کے ساتھ اپنے پاس بُلایا اور خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور کیا کرتے ہو؟ طالب علم نے جواب دیا تو انہوں نے اس کے چہرے کی اضطرابی تحریر

پڑھتے ہوئے پوچھا کہ آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ نوجوان نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کہو اور
بغیر کسی تکلف کے کہو۔ کہنے لگے: مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔ مجھے ایف اے کرنے
اور پٹوار کا امتحان پاس کرنے کا کوئی شوق نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی پیاسی نگاہیں
آپ کے دیدار سے سیراب کرتا رہوں۔ آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کروں اور وہ
نورانی علم حاصل کروں، جس کے آپ نمائندے ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام نے
بڑی خوشی سے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی اور وہ اپنی جگہ اس شاہین کے
زیرِ دام آنے پر بے حد مسرور تھے۔

مرکزِ علم وعرفان بریلی شریف جاکر اس طالب علم نے پوری تندہی اور یکسوئی
کے ساتھ علومِ دینیہ حاصل کرنے شروع کیے۔ منظرِ اسلام، بریلی میں حضرت حجۃ الاسلام،
مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف
بہارِ شریعت ایسے نادرِ روزگار اربابِ علم و نظر کے فیوض سے خوشہ چینی کی۔ آٹھ
سال تک جامعہ معینیہ، اجمیر شریف میں صدر الشریعہ کے دریائے علم سے فیضیاب
ہونے کے بعد سندِ فراغت حاصل کی۔

آپ جانتے ہیں کہ وہ نوجوان طالب علم کون تھا؟ اُسے کون نہیں جانتا ——؟
اُسے اپنے اور بیگانے سب ہی جانتے ہیں —— وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و
کرم سے ایسی بلندیوں پر پہنچا کہ بڑے بڑے افسر اُس کے قدموں میں بیٹھنے کو سعادت
سمجھتے تھے —— بڑے بڑے علما اس کی دست بوسی کو اپنا شرف تصور کرتے ——
بقول حضرت شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی وہ جس کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے
(دستار بندی کر دیتے) تھے، وہ راسخ العقیدہ سُنی عالمِ دین بن جاتا تھا ——
انہوں نے تمام زندگی علومِ دینیہ کا درس دیا —— دلوں کی دنیا میں محبت
مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جوت جگائی —— علما اور محدثین کی اتنی

بڑی جماعت تیار کی کہ اکابر علماء نے انہیں محدثِ اعظم پاکستان تسلیم کیا —— یہ تھے —— محدثِ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری قدس سرہ العزیز —— وہ آسمانِ محدثیت کے چاند تھے، جن کی ضیاء پاشیوں نے پاک و ہند کے خطے کو بقعۂ نور بنا دیا —— وہ شیخ التفسیر والحدیث تھے —— وہ جامع معقولات و منقولات تھے —— وہ رہبرِ شریعت اور مرشدِ طریقت تھے —— وہ پیکرِ رشد و ہدایت تھے —— وہ سحر بیان خطیب تھے —— کئی کئی گھنٹے خطاب فرماتے، اس دوران زورِ بیان اور دلائل کے تسلسل میں فرق آتا اور نہ ہی سامعین کی محویت ختم ہوتی —— وہ کوہِ استقامت تھے —— جو کہتے تھے وہی کرتے تھے اور جو کرتے تھے، اس پر قائم رہنا جانتے تھے۔

مولانا غلام محی الدین قادری، فیصل آباد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حکومت نے چاند کا اعلان کر دیا —— حضرت کا موقف یہ تھا کہ چونکہ شرعی گواہی موجود نہیں، اس لئے چاند نہیں ہوا —— رات کے وقت ضلع کے حکام گفت و شنید کیلئے آپ کے پاس آئے، تو آپ نے فرمایا: کیا حکومت یہ سمجھتی ہے کہ سردار احمد موم کی ناک ہے جسے جدھر چاہا موڑ لیا؟ اور اپنا فیصلہ واپس لینے سے صاف انکار کر دیا۔

وہ اقبال کے مردِ مومن کی سچی تصویر تھے اور اقبال (علیہ الرحمہ) کے اس شعر کا صحیح مصداق تھے ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

حضور سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت تو جانِ ایمان ہے اور ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مومن کی روح کی غذا ہے، لیکن ان پر حدیث پڑھتے وقت عجیب کیفیت طاری ہوتی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جس کیفیت کا

بیان ہوتا، ویسی کیفیت ان پر طاری ہوتی، مسرت و شادمانی کا ذکر ہوتا، تو آپ بھی مسرور دکھائی دیتے ——— کسی صدمے یا تکلیف کا ذکر ہوتا، تو آپ کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار واضح دکھائی دیتے ——— فرائض اور واجبات تو اپنی جگہ ہے، سنن اور مستحبات پر بھی بالالتزام عمل کرتے ——— اپنے اساتذہ کا ذکر محبت و عقیدت میں ڈوب کر کرتے ——— دوستوں اور معاصرین سے ملتے، تو مسرت و شادمانی کا پیکر نظر آتے ——— سادات کرام کا خصوصی احترام کرتے، تبرک تقسیم کیا جاتا، تو انہیں دو حصے دیئے جاتے ——— شاگردوں اور مریدوں کی اس قدر عزت افزائی فرماتے کہ حاضر ہونے والا باغ باغ ہو جاتا اور یہ محسوس کرتا کہ حضرت سب سے زیادہ مجھ پر مہربان ہیں۔

ایک دفعہ سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر مدظلہ کوٹلی لوہاراں نے تقریر میں حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت پر خوش ہو کر فرمایا: سَلْ مَا شِئْتَ جو چاہو مانگو ——— جلسے کے بعد حضرت محدث اعظم نے تخلیے میں انہیں فرمایا، مولانا! حدیث شریف کا مطلب اگرچہ یہی ہے، جو آپ نے بیان کیا ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلق فرمایا ہے کہ مانگو، یہ نہیں فرمایا کہ فلاں چیز مانگو۔ اس اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے تمام نعمتیں آپ کے دستِ اقدس میں ہیں، جسے چاہیں اور جو چاہیں عطا فرمائیں، لیکن حدیث شریف میں مَا شِئْتَ کے الفاظ نہیں ہیں، اگر کوئی مخالف مطالبہ کر بیٹھے کہ حدیث کے یہ الفاظ دکھاؤ تو پریشانی ہوگی، اس لئے احتیاط سے کام لینا چاہیے ——— حضرت سلطان الواعظین مدظلہ اس قوتِ استحضار اور فہمائش کے اس حکیمانہ انداز سے بہت متاثر ہوئے

ایک نعت خواں نے جناب محمد اعظم چشتی مدظلہ کی نعت پڑھتے ہوئے یہ شعر پڑھا

تساں ساڈوں محکوں کھا وناں نہیں اساں بید جناں اٹھوں جان نہیں
اساں مڑ مڑ در تے آونا نہیں ساڈا جوگیاں والا پھیرا اے

حضرت محدث اعظم نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: سرکار بلائیں تو ہم بار بار حاضر ہوں گے، ہمیں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ پڑھنا ہے تو دوسرا مصرع اس طرح پڑھو

؎ اسیں مڑ مڑ جگ تے آونا نہیں ساڈا جوگیاں والا پھیرا اے

غور کیجیے! کہ شعر و سخن کا بڑے سے بڑا استاد بھی اس سے بہتر کیا اصلاح کر سکتا تھا؟ ایک لفظ کی تبدیلی سے شعر کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔

دوسری طرف بدعقیدہ افراد کیلئے اُن کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔

حضرت سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر مدظلہ نے بجا فرمایا تھا:

؎ حضرت فاروق اعظم کی تو اک شمشیر ہے

بدیہی بات ہے کہ صلح کلیت اور ہر کسی کو سینے سے لگا کر شمع ہر محفل بننا بڑا آسان ہے۔ اگر وہ یہ رویّہ اختیار کرتے تو ہر فرقہ اور ہر طبقہ انہیں سر آنکھوں پر جگہ دیتا لیکن انہوں نے دعائے قنوت کے ان کلمات طیبات پر عمل کر کے دکھایا،

وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ بار الٰہا! جو تیرا نہیں، وہ ہمارا نہیں ہے۔

وہ اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ پر عمل پیرا تھے اور زندگی بھر عمل پیرا رہے۔

وادیٔ نجد کے متشددین عامۃ المسلمین کو اس لئے مشرک اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں کہ وہ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ترین وسیلہ مانتے ہیں۔ حضرت محدث اعظم، حرمین طیبین کی حاضری کیلئے گئے، تو نجدی اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ جب ہم ان کے نزدیک مشرک ہیں تو اُن کے عقیدے کے مطابق ہماری نماز کیسی؟ اور ان کے پیچھے اقتدا کا کیا مطلب؟ ـــــ پیچھے نماز پڑھنا تو بڑی بات ہے، وہ ایسے لوگوں سے مصافحہ

ہیں کے روادار نہ تھے۔ ایک شیعہ افسر آپ سے ملاقات کے لئے آیا، تو آپ نے یہ کہتے ہوئے ہاتھ کھینچ لئے کہ میرے دل میں حضرات خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کی شمع روشن ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس شمع کی لَو ماند نہ پڑ جائے ——— اسی طرح احرار کے مشہور خطیب قاضی احسان احمد شجاع آبادی سے ایک سفر میں آمنا سامنا ہو گیا۔ وہ مصافحہ کرنے کے لئے آگے بڑھے، تو آپ نے فرمایا، تحذیر الناس، براہین قاطعہ، اور حفظ الایمان کی ایمان سوز عبارات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں مناظرہ کرنے نہیں آیا صرف ملاقات کے لئے آیا ہوں، آپ نے فرمایا، جب تک ان عبارات کا تصفیہ نہیں ہو جاتا میں آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔

مولانا محمد علی جوہر نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

عاشق کا جنازہ

یکم شعبان المعظم، ۲۹ دسمبر جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب (۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) اپنے دور کا عظیم محدث، ملتِ اسلامیہ کا محسن، حبیبِ کبریا، علیہ التحیۃ والثناء کا سچا محبّ، سُنّیت کا قافلہ سالار، لاکھوں افراد کو اشکبار چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ کراچی سے آپ کا جسدِ مقدس بذریعہ ٹرین لائل پور (فیصل آباد) لایا گیا۔ ملک بھر کے علماء و مشائخ اور عوام اہلِ سنّت کے تاحدِ نظر پھیلے ہوئے مجمع نے آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی، بہت سے مخالفین بھی حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے جنازہ میں شریک ہوئے اور سُنّی رضوی جامع مسجد کے پہلو میں آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔

اس موقع پر ہزارہا افراد نے ایک حیرت انگیز منظر کھلی آنکھوں سے دیکھا اور جس نے بھی دیکھا، عش عش کر اُٹھا۔ ریلوے اسٹیشن سے جامعہ رضویہ تک آپ کے جنازہ پر ایک نورانی پھوار پڑ رہی تھی، جُوں جُوں جنازہ آگے بڑھتا، انوار کی بارش بھی آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس سے بڑھ کر کرامت اور آپ کے مسلک کی صداقت کی دلیل کیا ہو سکتی ہے؟ ربّ العزت کی طرف سے یہ انعام تھا اُن کے تقویٰ و تقدس کا، خدمتِ دین کا، پرچمِ سُنیّت بلند کرنے کا، محبّتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دلوں میں بسانے اور عظمتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھریرے لہرانے کا۔

—— رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ——

تذکرۂ محدّث اعظم پاکستان

محدّثِ اعظم پاکستان مفکّرِ اسلام بھی تھے اور مُدبّر بھی تھے —— اُن کی زندگی عملِ مسلسل اور جہدِ پیہم سے عبارت تھی —— وہ ہمہ گیر شخصیت تھے —— بے عملی اُن کے نزدیک بہت بڑا جرم تھی —— جو شخص اُن سے وابستہ ہو جاتا، اسے شعلۂ جوالہ بنا دیتے —— اہلِ سُنّت وجماعت اور خصوصاً اُن کے اصحابِ علم تلامذہ اور مریدین کی ذمہ داری تھی کہ ان کے احوال و آثار کتابی صورت میں جمع کرتے —— ان کی دینی و ملی خدمات کو قلمبند کرتے —— تاکہ بعد میں آنے والے لوگ ان کی شمعِ حیات سے اکتسابِ ضیا کرتے —— مگر ہمارے ہاں تو تقریر اور خطابت ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے —— قرطاس و قلم کے ساتھ ہمیں دلچسپی ہی نہیں ہے —— ماہنامہ نوری کرن، بریلی؛ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ، اور محبوبِ حق، فیصل آباد نے ان کے بارے میں اپنی بساط کے مطابق نمبر نکالے —— کئی حضرات نے کتابچے اور مضامین لکھ کر

اُن کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ـــــ تاہم ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ہر ذی شعور محسوس کر رہا تھا ـــــ جس میں اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر معلومات فراہم کیے گئے ہوں ـــــ کئی دفعہ کوشش بھی کی گئی، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا ـــ

قدرت نے اس اہم کام کا انتظام کرنے کی سعادت، حضرت محدثِ اعظم کے مخلص ترین شاگرد اور مرید، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، شیخوپورہ اور تنظیم المدارس، اہل سنت، پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ، حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی مدظلہٗ کے نام ودیعت فرمائی ہوئی تھی۔ ان کا اخلاص؛ دین کے لئے سوز و دروں اور مذہب کے لئے شب و روز کی کاوشِ پیہم، شک و شبہ سے بالا ہے۔ بلاشبہ وہ ملت کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ کئی سال سے وہ حیاتِ محدثِ اعظم کی ترتیب و تدوین کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کارِ خیر کا انتظام انہیں ہی کرنا چاہیئے ـــ حُسنِ اتفاق کہ مؤرخِ لاہور جناب محمد دین کلیم نے فیصل آباد میں چار سال قیام کے دوران جو مواد جمع کیا تھا، وہ ان کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ اور راقم الحروف کے پاس جو متعلقہ مواد تھا، وہ بھی پیش کر دیا۔

اب یہ فکر ہوئی کہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے اس مواد کو کون ترتیب دے گا؟ اس کام کے لئے مفتی صاحب نے حضرت محدثِ اعظم کے شاگرد رشید اور متعدد کتابوں کے مصنف مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ کو منتخب کیا اور واقعی یہ صحیح ترین انتخاب تھا ـــ ۴؍ محرم الحرام، ۱۱؍ اکتوبر ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء کو ان سے درخواست کی گئی کہ یہ کام آپ کریں اور آپ ہی کو کرنا چاہیے۔ انہوں نے ناسازیٔ طبیعت اور کثیر مشاغل کے باوجود تقریباً چار سال کے عرصے میں یہ کام مکمل کر لیا ـــــ مولانا محمد جلال الدین قادری نے اس تذکرے کی ترتیب میں جاں گسل محنت سے کام لیا،

دراز کے کئی سفر کیے، علماء کو سینکڑوں خطوط لکھے اور نہ جانے کتنی راتیں

ر اس عظیم الشان کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت محدثِ اعظم کے فرزندِ اکبر اور جانشین صاحبزادہ قاضی محمد فض

رضوی مدظلہ نے نہ صرف خاندانی حالات فراہم کئے اور حضرت کی ذاتی

مطالعہ کی اجازت عطا فرمائی، بلکہ ازراہِ کمال مہربانی تمام کتاب، مو

سماعت بھی فرمائی۔ اس طرح اس تذکرے پر مُہرِ تصدیق ثبت فر

وہ ازیں تقریظ لکھ کر بھی حوصلہ افزائی فرمائی ــــــ محدثِ جلیل، شا

ت مولانا علامہ غلام رسول رضوی دام ظلہ نے بھی دُعائیہ کلمات تحری

کتابت کے لئے حضرت محدثِ اعظم کے مخلص نیازمند اور مکتبہ قادر

دیرینہ رفیقِ کار جناب محمد عاشق حسین ہاشمی زیدمجدہ (چنیوٹ) الیس

نتخب کیا گیا۔ انہوں نے بڑی محبت اور محنت کے ساتھ، پیشِ نظر تذکر

ت فرمائی ــــــ مفتی محمد علیم الدین مجددی نے مفید مشوروں س

حضرت مولانا محمد منشا تابش قصوری نے کتاب پر نظرِ ثانی کی ــــــ

اب پایۂ تکمیل کو پہنچی اور زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین کے ہا

گئی ــــــ جن جن حضرات نے اس کارِ خیر میں حصہ لیا ہے، وہ سب ہ

یت کے شکریئے کے مستحق ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ انہیں دُنیا و آخر

ئے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)